محمد راشد اقبال

لیکچرر اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، قصور

پی ایچ۔ڈی سکالر (شعبہ اُردو) پنجاب یونیورسٹی لاہور

محمد سہیل اقبال

پی ایچ۔ڈی سکالر (شعبہ اُردو)

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شمس الرحمٰن فاروقی اور قبضِ زماں پر چند اعتراضات

Time had been and is still one of the most investigated mysteries. Even eminent scientists tried to explore this aspect of existence. Einstein presented the idea of time dilation. Theory of Relativity expounds that; there may be a difference in the time experienced by two observers, because of a velocity difference relative to each other, or by being differently situated relative to a gravitational field. Such a mysterious and interesting idea could never be overlooked by the writers of fiction. The literary works like Time Machine by H.G Wells present the character in times elapsed. Shams Ur Rehman Farooqi's novel Qabz-e-Zaman is also one of those attempts in which literature employed the mystery of time. Time dilation is the main idea around which the plot of Qabz-e-Zaman has been constructed. This research article explores how some of the concepts utilized by Shams-ur-Rehaman Farooqi, are not the newest ideas. Even the main plot in Qabz-e-Zaman is also not the first hand creation of Shams-ur-RehmanFarooqi as it has been copied from Tazkara-e-Ghosia by Hazrat Maulana Shah Gul Hassan.

زمان ہمیشہ سے ایک پراسرار شے رہا ہے۔ زمان ومکان کے بارے میں جتنے بھی نظریات پیش کیے گئے ہیں وہ سچائی کو تلاش کرنے کی کاوشیں ہیں جن کا سلسلہ عصرِ حاضر میں میں بھی جاری ہے۔اس کی ابتداء ارسطو کے نظریات سے ہوئی لیکن جلد ہی گلیلیو نے ارسطو کے نظریات کو رد کر دیا اور پھر ایک باقاعدہ بحث کا آغاز ہو گیا۔ نیوٹن نے اس سلسلے کو بڑھایا، ان میں اہم اضافہ آئن سٹائن کی مساوات ''E=mc2'' کی شکل میں سامنے آیا۔ دورِ حاضر میں اسٹیفن ہاکنگ نے اپنی کتاب وقت کی مختصر تاریخ میں کائنات اور وقت پر تفصیلی بحث کی ہے اور وقت

کے تین تیروں(Arrows) کے بارے میں اسٹیفن ہاکنگ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ہمیں وقت کی سمتوں کا کچھ نہ کچھ تعین ضرور ہو جاتا ہے:

> وقت کے ساتھ بے ترتیبی یا انٹروپی میں اضافہ ایک ایسی مثال ہے جسے ہم وقت کا تیر(Arrow Of Time) کہتے ہیں اور جو ماضی سے مستقبل کو ممیز کر کے وقت کو ایک سمت دیتا ہے۔وقت کے کم از کم تین مختلف تیر ہیں پہلا تو وقت کا تھرموڈائنامیکس تیر(Thermodynomics Arrow Of Time)جو وقت کی وہ سمت ہے جس سے بے ترتیبی یا انٹروپی بڑھتی ہے۔
>
> پھر وقت کا نفسیاتی تیر(Psychological Arrow Of Time)یہ وہ وقت ہے جس میں وقت گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے یہ وہ سمت ہے جس میں ہم ماضی تو یاد رکھ سکتے ہیں مگر مستقبل نہیں اور آخر میں وقت کا کونیاتی تیر(Cosmological Arrow Of Time)ہے یہ وقت کی وہ سمت ہے جس میں کائنات سکڑنے کی بجائے پھیل رہی ہے۔۱

تصورِ وقت کے حوالے سے ابتدائی نمونے مذہبی کتب میں موجود ہیں ۔جدید دور کے مشاہیرِ ادب نے ان ابتدائی نمونوں کو فکشن میں علامات، اشارات اور تلمیحات کے انداز میں بیان کیا ہے اور اس وجہ سے ایسا فکشن ہر خاص و عام کے لیے دلچسپی کا سبب بنا۔فکشن میں حقیقت کا رنگ دکھانے کے لیے ان مذہبی قصوں کے اثرات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

فکشن میں وقت کے سفر کو دو زمانوں میں پیش کیا ہے

۱۔ ماضی میں سفر

۲۔ مستقبل میں سفر

فکشن میں یا تو ماضی کا سفر بیان کیا جاتا ہے یا مستقبل کا،لیکن فکشن کے کچھ فن پارے ایسے بھی ہیں جن میں دونوں زمانوں کا سفر طے کیا جاتا ہے پہلے ماضی میں اور پھر مستقبل میں۔

ماضی یا مستقبل کے اس سفر کو بیان کرنے کے لیے بھی فکشن نگاروں نے دو طریقے اپنائے ہیں

۱۔ نیند کی حالت میں سفر کرنا

۲۔ جاگتے ہوئے سفر کرنا

اس قسم کے فکشن میں بہت سی مماثلتیں بھی موجود ہیں جن میں اہم یہ ہیں:

۱۔ اکثر واقعات پر اصحابِ کہف کے قصّے کے اثرات موجود ہیں۔

۲۔ ماضی یا مستقبل میں سفر کرنے کے بعد حیرت کا اظہار کرنا، پریشان ہونا اور مشکلات ومصائب سے دوچار ہونا۔

۳۔ مافوق الفطرت عناصر میں مبالغہ آرائی۔

۴۔ مافوق الفطرت عناصر سے جنم لینے والی توہمات اور معاشرے پر ان کے اثرات واضح طور پر مرتب ہوئے ہیں۔

۵۔ خوف وہراس کا ماحول بیان کرنا۔

۶۔ کسی مہم پر روانہ ہونا اور وقت کی رو میں بہہ جانا۔

Susan Schneide اپنی کتاب Scienc Fiction and Philosophy:From Time Travel To Superintelligence میں سفر کی اس نوعیت کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

> What Is Time Travel?Inevitably,it involves a discrepancy between space and time.Any traveler departs and then arrives at his destination,the time elapsed from departure to arrival (positive,or perhaps zero) is the duration of the journey.But if he istime traveler,the separation in time between departure and arrival does not equal the duration of his journey.He departs,he travels for an hour,let us say,then he arrives.The time he reaches is not the time one hour after his departure.It is later,if he has traveled toward the future,earlier,if he has traveled toward the past.If he has traveled far toward the past,it is earlier even than his departure.How can it be that same two events,his departure and his arrival,are separated by two unequal amounts,of time? 2

ترجمہ: قیودِ وقت سے ماورا سفر کے لیے لازم ہے کہ زمان کے مکان کے ساتھ متصل ہونے کی تسلیم شدہ شرط سے منحرف ہوا جا سکے۔ مسافر کے ایک جگہ سے رخصت ہونے اور دوسری جگہ پہنچنے تک کے لیے امتدادِ وقت ناگزیر ہے۔ لیکن وقت سے ماورا سفر کرنے والے کے لیے سفر کا کل دورانیہ رخصتی و آمد کے درمیان حقیقی وقفہ کے برابر نہیں ہوتا۔ فرض کیا ایک مسافر ایک جگہ رخصت ہوتا ہے، وہ ایک گھنٹہ سفر کرتا ہے لیکن منزل پہ پہنچنے پر دریافت ہوتا ہے کہ کل صرف شدہ وقت محض ایک گھنٹہ نہیں ہے۔ مستقبل میں سفر کرنے والے کے لیے وقت ایک گھنٹے سے زیادہ گزر چکا ہوگا اور ماضی میں جانے والے کے لیئے

یہی وقت ایک گھنٹے سے کم ہوگا اور اگر مسافر ماضی میں بہت دور تک جا سکتا ہو تو اس کی آمد کا وقت رخصت ہونے سے بھی پہلے کا ہوگا۔ یہ کیسے ممکن ہے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو دو مختلف زمانوں میں الگ الگ دیکھا جائے؟

شمس الرحمٰن فاروقی کی اس تخلیق کو ناول کہیں یا افسانہ یہ ایک الگ بحث ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے پیش لفظ میں اسے افسانہ قرار دیا ہے۔ اس تخلیق میں چند ایسے رجحانات ہیں جو ہمارے معاشرے میں موجود ہیں لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے انھیں ایک نئے اور دلچسپ انداز سے پیش کیا ہے۔

قبضِ زماں میں وقت کا ایک ایسا تصور بیان کیا گیا ہے جس میں ایک انسان کئی صدیاں چند لمحوں میں طے کر جاتا ہے اور پھر اسی وقت کے تصور کے تناظر میں مافوق الفطرت عناصر اور اُن سے جنم لینے والی توہم پرستی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یہ کوئی نیاء رجحان نہیں، اکثر مذہبی کتب میں اس رجحان کے حامل واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

ناول نگار نے اس ناول کے پیش لفظ میں تین واقعات کا ذکر کیا ہے جن میں نیند کی حالت میں صدیوں کا سفر چند لمحوں میں گزرتا ہوا بیان کیا گیا ہے۔ یہ تین واقعات یوں بیان کیے ہیں:

۱۔ اصحاب، کہف کا قصہ:

''قرآن مجید کے قصّے میں اصحابِ کہف کی تعداد نہیں بتائی گئی ہے، لیکن یہ کہا گیا ہے کہ وہ تین سو نو (۳۰۹) برس سوئے، ان کے ساتھ اُن کا کتا بھی تھا اور اللہ انھیں کروٹ پھرا کر اور دوسرے طریقوں سے ان کے جسموں کو سوکھنے یا خراب ہونے سے محفوظ رکھتا تھا۔ یہ لوگ خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے۔ اور خوفِ جان و خوفِ ایمان سے ایک غار میں جا چھپے تھے وہاں اللہ نے ان کی حفاظت کی'' ۳

۲۔ رِپ وان ونکل (Rip Van Winkle)

''واشنگٹن ارونگ کا رِپ وان ونکل اپنی بیوی اور بچوں کی ذمہ داری سے تنگ آ کر ایک جنگل کی راہ لیتا ہے جہاں اسے دلچسپ حالات کا سامنا ہوتا ہے اور پھر وہ سو جاتا ہے۔ جب وہ جاگتا ہے تو بیس سال گزر چکے ہوتے ہیں۔ اس کی داڑھی ایک فٹ لمبی ہوگئی ہے، اس کی بندوق مٹی ہو چکی ہے اور اُس کا پیارا کتا Wolf جو اس کے ساتھ تھا وہ مر چکا ہوتا ہے'' ۴

۳۔ شریمد بھاگوت (300 BC) میں بادشاہ مچکند (Muchkund) کا قصّہ طویل نیند والا واقعہ بادشاہ مچکند سے منسوب ہے۔ ایک بار جب آسروں نے دیوتاؤں پر چڑھائی کر دی اور دیوتا ان سے عاجز

آ گئے تو انھوں نے بادشاہ مچکند کو طلب کیا جو شری رام چندر جی کے اسلاف میں ہے۔ مچکند نے گھمسان جنگ کی اور آسروں کو پسپا کر دیا۔ چونکہ وہ جنگ میں بہت تھک گیا تھا اس لیے راجہ اندر نے اسے سلا دیا اور یہ نیند اتنی لمبی ہوئی کہ جب وہ جاگا تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ زمانہ اس قدر آگے نکل گیا تھا کہ انسان اور جانور، جو اس کے زمانے میں عظیم الجثہ ہوتے تھے وہ آج کل کی طرح کے چھوٹے قد کے ہو گئے تھے۔ گویا مچکند کی نیند پر کئی یگ بیت گئے۔ ۵

شمس الرحمٰن فاروقی نے ان تین واقعات میں بھی ناولٹ کے پیش لفظ میں زمانی ترتیب کا خیال نہیں رکھا۔ پہلے شریمد بھاگوت کا قصہ پھر اصحابِ کہف کا ذکر اور آخر میں واشنگٹن ارونگ کے افسانے کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔ ان واقعات کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی نے حضرت عزیزؑ کا واقعہ کو نظر انداز کیا ہے۔ اس میں بھی ایک طویل نیند کے بعد جاگنے کا واقعہ ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی واشنگٹن ارونگ کے ایک افسانے کا ذکر تو کر سکتے ہیں لیکن قراۃ العین حیدر کو نظر انداز کر دیا ہے۔ قراۃ العین حیدر نے بہت سے افسانوں میں وقت کے تصور کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے لیکن دو افسانے ''اعترافات سینٹ فلورآف جارجیا'' اور ''آئینۂ شہر کوراں'' قابلِ ذکر ہیں۔

ان دونوں افسانوں میں بھی طویل وقت کا چند لمحوں میں گزرنے کا تصور موجود ہے۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی اور ڈاکٹر ناہید قمر نے بھی ان افسانوں پر اصحابِ کہف کے واقعہ کے اثرات کی تائید اپنے تنقیدی مضامین میں کی ہے۔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی اپنے مضمون ''افسانے میں قراۃ العین حیدر کے فنی وفکری رویے'' میں رقم طراز ہیں:

> ''اعترافات'' میں اصحابِ کہف کے قصّے کا واضح حوالہ تو موجود نہیں ہے مگر وقت کے طویل فاصلے کو عبور کرنے کا انداز اصحابِ کہف کے روایتی قصّے سے کافی ملتا جلتا ہے، چونکہ جارجیا کے فلورا کو مدتوں قبل مرنے کے بعد نا تکمیل یافتہ زندگی کی تکمیل آرزو کا پیش خیمہ بتایا گیا ہے۔ ٦

ڈاکٹر ناہید قمر اپنی کتاب اُردو فکشن میں وقت کا تصور میں ''آئینہ فروش شہر کوراں '' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

> ''آئینہ فروش شہر کوراں'' بھی ایک ایسا افسانہ ہے جس میں مذہبی حوالے سے تاریخ کا عکس ملتا ہے۔ افسانے کا راوی اصحابِ کہف سے ظاہری مماثلت رکھنے والا ایک شخص کشفلیط ہے۔ یہ کردار اصحابِ کہف کی تلمیح کے پس منظر میں کئی زمانوں کا احاطہ کرتا نظر آتا ہے۔ ۷

یہ عیاں ہے کہ واشنگٹن ارونگ اور قراۃ العین حیدر کے افسانوں پر اصحابِ کہف کی تلمیح کے واضح اثرات موجود

ہیں لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے قبضِ زماں کو مندرجہ بالا مذہبی واقعات کے اثرات کورد کرنے کے لیے ایک نیا جواز پیش کیا ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی بیان کرتے ہیں:

جس واقعے، یا روایات پر قبضِ زماں کی بنیاد ہے اس میں دیگر تمام روایتوں سے بالکل مختلف بات ہے ،کہ یہاں جو وقت گذرا ہے وہ نیند میں نہیں بلکہ جاگتے میں گذرا ہے۔خدا نے اپنی قدرت سے ڈھائی تین سو برس کی مدت کو چند گھنٹوں میں محصور کر دیا۔۸

اگر قبضِ زماں میں بیان کردہ قصہ ان واقعات سے مختلف ہے تو پیش لفظ میں مذکورہ تین روایات کا ذکر کرنے کا کیا جواز ہے۔ان کے بجائے شمس الرحمٰن فاروقی ایسے واقعات کی روایات کا بھی ذکر کر سکتے تھے جن میں سفر جاگنے میں ہی گزرا تھا جن میں بادشاہ Raivata Kakudmi کی کہانی،معراج شریف کا واقع اور ایچ جی ویلز کا ناول ٹائم مشین اہم ہیں۔

باب اول کا ناول کی کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ان کا تعلق شمس الرحمٰن فاروقی کے منتشر خیالات سے ہے جن کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی کے ذہنی انتشار کی نشاندہی مافوق الفطرت قصے،توہمات،اور بیانات میں تضاد سے بھی ہو جاتی ہے۔باب اول کے شروع میں شمس الرحمٰن فاروقی نے نیند نہ آنے کی وجہ اور بے چینی کا اظہار ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

میں بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا،اس وجہ سے نہیں کہ میرے ذہن میں کوئی خلفشار تھا یا دل میں کوئی خلش تھی۔کبھی کبھی شام ڈھلتے ہی اور بستر پر جانے سے پہلے ہی احساس ہو جاتا ہے کہ آج رات نیند نہ آئے گی۔ ۹

لیکن شمس الرحمٰن فاروقی اس بیان کے بعد یہ بات بھی کرتے ہیں:

دادی کے زمانے میں ان کے پلنگ، بلکہ سبھی کے پلنگ کھٹملوں کا صدر مقام تھے۔تمام رات انھیں کاٹتے گذرتی تھی مگر ہم لوگوں کی رات بے کھٹکے جاتی تھی کیونکہ ہماری نیندیں ایسی نہ تھیں کہ کوئی کھٹمل،کوئی مچھر،انھیں فتح کر سکے یا ان کی دیواروں میں ذرا سا بھی رخنہ ہی ڈال دے۔۱۰

اس کے بعد کیفی اعظمی کے ایک شعر کا حوالہ اقتباس میں شامل کرتے ہیں:

مجھے کیفی اعظمی کے مصرعے یاد آئے لیکن یہ خیال میں نہ آسکا کہ میں نے انھیں کب اور کہاں پڑھا تھا ۔آج کی رات نہ فٹ پاتھ پہ نیند آئے گی آج کی رات بہت گرم ہوا چلتی ہے۔۱۱

شمس الرحمٰن فاروقی اس شعر کے کیفی اعظمی سے منسوب ہونے اور نہ ہونے پر بھی شک میں مبتلا ہیں۔ اپنے شک کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کیفی صاحب مرحوم کی نظم (اگر یہ نظم ان کی ہے) کے دو مصرعوں نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یہ بہر حال حقیقت تھی کہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی، اور ہوا بھی گرم تھی آخر اپریل کی رات تھی، مئی جون نہ سہی۔۱۲

مذکورہ تمام اقتباسات سے شمس الرحمٰن فاروقی کی ذہنی انتشار کی عکاسی ہوتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے تحقیق کی بجائے حافظہ پر انحصار کیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے چند مافوق الفطرت قصّے بیان کیے ہیں:

مجھے یاد آیا کہ ہمارے گھر کے سامنے کچھ فاصلے پر یعنی سبحان اللہ دادا کے مکان کے پیچھے ایک بڑا چھتنار اور جسیم درخت تھا۔ یہ یاد نہیں کہ کاہے کا پیڑ تھا۔ بس راتوں کو ایسا لگتا تھا کہ وہ درخت کچھ نزدیک آ گیا ہے۔ ہم لوگوں میں مشہور تھا کہ اس پیڑ پر ایک برم رہتا ہے جو باہر سے آنے والوں کو اور خاص کر آٹھ دس برس کی عمر کے لڑکوں کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھتا رہتا ہے تو وہ کیا چاہتا ہے؟ اس بات کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ الگ الگ قیاس آرائیاں تھیں۔ کوئی کہتا وہ جس کو پکڑے اسے بھی اپنی طرح کا برم بنائے گا۔۔۔ ایک بار برم نے ایک نوجوان کسان کو پکڑ ہی لیا تھا۔۔۔ وہ کسان اس کے چنگل سے چھوٹا کیسے، یہ بات کسی کو نہ معلوم تھی۔ شاید ہمارے دادا نے کوئی تعویذ پنھا دیا تھا کہ ایسے ہی کسی سنکٹ میں کام آئے۔۱۳

اسی باب میں مزید لکھتے ہیں:

ہمارے یہاں تو عورتوں پر آسیب، شیخ سدو، جن، پری آتے ہی رہتے ہیں۔ حضرت غوثی علی شاہ صاحب کے یہاں لوگ ایسے معاملات میں تعویذ مانگنے آتے تھے۔۱۴

مذکورہ توہم پرستی کے قصّے اور مسلمانوں میں ان کے عمل دخل کا تذکرہ عزیز احمد کی کتاب برصغیر میں اسلامی کلچر میں بڑے تحقیقی انداز میں ملتا ہے۔ عزیز احمد بیان کرتے ہیں

یہ نومسلم ہندوؤں کے ادنیٰ طبقہ کے سارے توہمات میں شریک تھے اور انہیں کی طرح بدروحوں، دیو پریوں، جھاڑ پھونک، جنتر منتر، تعویذ گنڈوں پر ایمان رکھتے تھے کہ جن بھوت پریت، جادو ٹونے اور بد

شگونیوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔۱۵

باب کے آخر میں بھی شمس الرحمٰن فاروقی نے پیپل کا ڈراؤنا تصور اور نیم غنودگی کی حالت میں وہ کیفیت جو اکثر انسانوں کے ساتھ سوتے میں پیش آتی ہے بیان کی ہے:

> اجنبی آ کر میرے پلنگ کی پائینتی کھڑا ہو گیا۔نہیں میں اسے اپنے پلنگ پر رونے نہ دوں گا۔رونے؟ نہیں سونے ہرگز سونے نہ دوں گا۔میں چاہتا ہوں اٹھ کر اس سے پوچھوں،کون ہو تم۔اور ساتھ ہی سامنے کوئی پچاس قدم دور دادا مسجد میں سوئے ہوئے تھے موذن کو آواز دوں۔لیکن میرا بدن کچھ اکڑ سا گیا۔آواز کے عضلات۔۔۔۔میں وہ لچک نہیں رہ گئی جس کے ذریعے آواز بنتی ہے۔۱۶

دراصل ہندوستان شروع سے ہی مافوق الفطرت قصّوں کے لیے مشہور رہا ہے۔ہندوستان میں اساطیری قصّوں کی ایک طویل روایت موجود ہے اور ادب میں ان اساطیری قصّوں کو تلمیحی اور علامتی تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔قبضِ زماں میں بھی اس روایت کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

قبضِ زماں میں کہانی باب دوم سے شروع ہوتی ہے،جس میں مرکزی کردار گل محمد ہے۔گل محمد کو اُن کے والد کی موت کے بعد خان جماں لودی نے ترس کھا کر دوران اسد خان ابنِ مبارک خان کے رسالے میں احدی بھرتی کروا دیا تھا۔گل محمد جب اپنی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے گاؤں ننکل خورد آتے ہیں تو راستے میں ٹھگ ان کو لُوٹ لیتے ہیں۔گل محمد پریشان ہو کر یہ سارا واقعہ اپنے دوست محمد عالم بہاری کو سناتا ہے کہ اب اُس کے پاس بیٹی کی شادی کے لیے کچھ نہیں بچا ہے۔محمد عالم بہاری کہتے ہیں کہ شہر میں ایک ڈیرے والی عورت رہتی ہے وہ ہماری مدد کر سکتی ہے۔مایوسی کے عالم میں دونوں اُس ڈیرے والی سے قرض لینے جاتے ہیں۔گل محمد قرض لے کر بیٹی کی شادی کرتے ہیں۔

اس کے بعد گل محمد گاؤں کے لوگوں کو کُشتی کے داؤ پیچ،تلوار اور نیزے کی بناوٹ کے طریقے سکھا کر رقم جمع کرتا ہے تاکہ قرض کی لی ہوئی رقم واپس کی جائے۔تین سال بعد گل محمد امیر جان کو رقم واپس کرنے دہلی روانہ ہوتے ہیں۔دہلی جا کر اُن کو معلوم ہوا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔اس کے بعد گل محمد اُن کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے قبرستان جاتے ہیں۔قبر کے اندر موجود روشنی کی حقیقت کو جاننے کے لیے وہ قبر کے اندر اترتے ہیں۔کچھ دیر بعد جب گل محمد قبر سے باہر آتے ہیں تو ڈھائی سو برس بیت جاتے ہیں۔قبر سے باہر آنے کے بعد اپنی حیرت اور پریشانی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> پھر میں ان ہژدہ ہزار عالم میں کون سے عالم میں ہوں کیا ننکل خورد،یا اس جیسا کوئی گاؤں یہاں بھی ہو

گا ؟ میری بیٹی، داماد، بیوی، سب اس جون میں ہوں گے جیسے میں انھیں چھوڑ کر آیا تھا ؟ بات سمجھ میں کچھ نہ آتی تھی۔ میرا سر چکرانے لگا، جیسے دل بیٹھا جا رہا ہوں، گرا اور بیہوش ہو گیا۔ ۱۷

ناول میں قصہ کا اختتام سید محمد علی کی موت پر ہوتا ہے، جو ایک شاعر تھے اور حشمت تخلص کرتے تھے، میر عبدالحی تاباں ان کے شاگرد تھے۔

شمس الرحمن فاروقی نے اس قصہ کو اپنی کاوش بنا کر بیان کیا ہے جبکہ یہ قصہ تذکرہ غوثیہ میں بیان کیا گیا ہے، اس قصہ کے مطابق ایک شخص کسی عورت سے قرضِ حسنہ لے کر اپنے بیٹے کی شادی کرتا ہے اور بعد میں اس عورت کی موت کے بعد اُن کی قبر میں اپنی ہنڈوی تلاش کرنے اترتا ہے، کچھ دیر بعد جب یہ شخص قبر سے باہر آتا ہے تو تین سو برس بیت چکے ہوتے ہیں، جہاں صرف چند ایک عمارتیں تھیں وہاں اب شہر آباد تھے۔ تذکرہ غوثیہ میں یہ قصہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۔۔۔اس کو قبر میں اتارا اور دفن کر کے چلا آیا، جب آدھی رات گذری تو خیال آیا کہ جیب میں پانچہزار کی ہنڈوی تھی دیکھا تو ندارد بڑی پریشانی ہوئی سوچتے سوچتے ذہن میں گذرا کہ ضرور اس قبر کے اندر ہنڈوی گری، پلنگ سے اٹھ کر سیدھا قبرستان پہنچا اور قبر کھود ڈالی کیا دیکھتا ہوں کہ نہ وہاں میت ہے نہ ہنڈوی ہاں ایک طرف کو دروازہ سا نظر آتا ہے، اس کے اندر چلا گیا نہایت پُر فضا دلکشا باغ نظر آیا اس میں ایک مکان عالیشان ہے۔۔۔قبر کے باہر نکل کر دیکھتا ہوں تو زمانہ کا رنگ ہی کچھ اور ہے نہ وہ تکیہ نہ وہ سرائے نہ وہ آدمی نہ وہ بستی سرائے کی جگہ پر ایک شہر آباد ہے پہلا حال جس سے کہتا ہوں وہ مجھ کو دیوانہ بتاتا ہے اور کہتا ہے میاں خیر ہے کیسی سرائے اور کون امیر......۱۸

اس تحقیق کی بناء پر یہ واضح ہے کہ تذکرہ غوثیہ کا یہ قصہ قبضِ زماں کا بنیادی ماخذ ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں یہ قصہ کئی انداز میں سننے اور پڑھنے کو مل سکتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے بھی صرف تخیل کی تبدیلی کی بناء پر اس قصہ کو اپنی ذہنی اختراع بنا کر بیان کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اسٹیفن ہاکنگ،وقت کی مختصر تاریخ،مترجم:پروفیسرطفیل ڈھانہ،فکشن ہاؤس،لاہور، ۲۰۱۳ء،ص،۱۵۱،۱۵۲

2. Susan Schneider, *Science Fiction And Philosophy:From-time travel to superintelligency*,Wiley Blackwell, UK,2016, P. 363, 364.

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی،قبضِ زماں،شہرزاد،کراچی،پہلی اشاعت،دسمبر۲۰۱۴،ص ۷

۴۔ ایضاً،ص ۷،۸

۵۔ ایضاً،ص ۸

۶۔ ابوالکلام قاسمی،ڈاکٹر"افسانے میں قراۃ العین حیدر کے فنی فکری رویے"مشمولہ:قراۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ" مرتبین:ڈاکٹر سید عامر،شوکت نعیم قادری،پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی،لاہور،طبع دوئم،۲۰۱۵ء،ص ۵۰۷

۷۔ ڈاکٹر ناہید قمر،اُردو فکشن میں وقت کا تصور،مقتدرا قومی زبان،اسلام آباد،طبع اول،۲۰۰۸ء،ص ۲۴۳

۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی،قبضِ زماں،شہرزاد،کراچی،پہلی اشاعت،دسمبر۲۰۱۴،ص ۹

۹۔ ایضاً،ص ۱۳

۱۰۔ ایضاً،ص،۱۴،۱۵

۱۱۔ ایضاً،ص،۱۳

۱۲۔ ایضاً،ص،۱۴

۱۳۔ ایضاً،ص،۱۷

۱۴۔ ایضاً،ص،۲۱

۱۵۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،طبع چہارم،۲۰۱۴ء،ص،۲۴۳

۱۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی،قبضِ زماں،شہرزاد،کراچی،پہلی اشاعت،دسمبر۲۰۱۴،ص ۲۸

۱۷۔ ایضاً،ص،۴۳،۶۴

۱۸۔ حضرت مولانا شاہ گل حسن (مولف) تذکرہ غوثیہ،آزاد کتاب گھر،کلاں محل،دہلی،بار پنجم،۱۹۶۵ء،ص،۲۴،۲۵